Fikr-o-Nasar (Islamabad) vol. 2:2 (1964)

طلاق کے احکام

ایک مطالعہ

عمر احمد عثمانی

عربی زبان میں ''طلاق'' کے معنی بندھن کو کھول دینے کے ہوتے ہیں۔ یہ لفظ ''اطلاق'' سے نکلا ہے ، جس کے معنی چھوڑ دینے اور کھول دینے کے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں ''طلاق '' کے معنی نکاح کے بندھن کے کھول دینے کے ہوتے ہیں۔ امام الحرمین کا ارشاد ہے کہ ''یہ لفظ جاہلی ہے اور شریعت اسلامی نے بھی اس لفظ کو اپنے اسی مفہوم میں استعمال کیا ہے جس میں وہ زمانۂ جاہلیت میں استعمال ہوا کرتا تھا - *

عربوں میں زمانۂ جاہلیت ہی سے طلاق کا دستور چلا آتا تھا - اسلام نے بھی اس کو بعض ضروری اصلاحات کے ساتھ باقی رکھا ہے . آج کے دور میں اس امر کی ضرورت باقی نہیں رہی کہ طلاق کے جواز پر عقلی دلائل سے بحث کرکے اس کی معقولیت کو ثابت کیا جائے کیونکہ وہ بہت سی قومیں بھی جو آج سے پہلے طلاق کے مسائل پر ناک بھوں چڑھایا کرتی اور زبان طعن دراز کیا کرتی تھیں ، زمانے کے تھپیڑوں سے مجبور ہوکر طلاق کے اسلامی مسائل کو آپ سے آپ اپناتی چلی جارہی ہیں اور اپنے عمل سے خود ہی اس کا ثبوت فراہم کرتی چلی جا رہی ہیں کہ قرآن کریم کا یہ بیان کس طرح حرف بحرف صحیح ثابت ہوتا چلا جارہا ہے کہ :

---

* شیخ الاسلام محمد ابن علی شوکانی رحمہ ''نیل الاوطار''، ج ۲ ، ص ۲۳۲ - مطبوعہ مطبعہ مصطفی البابی مصر ، سنہ ۱۹۵۲ء

سَنُرِيهِمْ ءَايَٰتِنَا فِى ٱلْءَافَاقِ وَفِىٓ أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ ٱلْحَقُّ

ہم انہیں اپنی نشانیاں کائنات میں اور خود ان کے نفسوں میں دکھاتے چلے جائینگے حتی کہ یہ بات اچھی طرح ان پر واضح ہوجائیگی کہ اسلام ہی حق ہے -

مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی اپنی جگہ پر اٹل ہے کہ اسلام نے طلاق کی اجازت شدید ضرورت میں دی ہے جبکہ اس کے سوا کوئی چارہ ہی باقی نہ رہا ہو۔ اسلام نے کسی درجہ میں بھی طلاق کی حوصلہ افزائی نہیں کی - چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قسم کے ارشادات موجود ہیں کہ :

حضرت ثوبان رض سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو عورت بغیر کسی شدید مجبوری کے اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے - (۱)†
(بخاری - مسلم - ابو داؤد - ترمذی - ابن ماجہ)

اور اس کے ساتھ ہی یہ ارشاد بھی موجود ہے کہ :

حضرت ابن عمر رض سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خدا کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے زیادہ نا پسندیدہ چیز طلاق ہے - (۲)
(ابو داؤد - ابن ماجہ)

قرآن کریم کے مطالعہ سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ وہ بھی طلاق کی حوصلہ افزائی کرنا نہیں چاہتا ۔ بلکہ حتی الامکان اس کو ٹالنے ہی کا حکم دیتا ہے - چنانچہ اگر میاں بیوی میں مناقشہ اور اختلاف کا اندیشہ ہو تو وہ اسلامی معاشرہ (حکومت وقت) کو اس کا پابند کرتا ہے کہ وہ ان اختلافات کو سلجھانے کی ہر ممکن سعی کرے۔ اسے اس مقصد کے لئے ایک ثالثی کونسل کی تشکیل کرنی چاہئے تاکہ وہ میاں بیوی کے جھگڑے کو سلجھا کر اختلافات کو دور کرے اور ان دونوں کے درمیان مصالحت کرادے چنانچہ سورۂ نساء میں ہے :

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَٱبْعَثُوا۟ حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِۦ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَآ

---

† تمام حوالوں کے اصل عربی متن مقالے کے آخر میں درج ہیں

إِن يُرِيدَآ إِصْلَٰحًا يُوَفِّقِ ٱللَّهُ بَيْنَهُمَآ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا ﴿٣٥﴾

اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ میاں بیوی میں تفرقہ پڑجائیگا تو چاہئے کہ ایک پنچ شوہر کے کنبہ میں سے مقرر کرو اور ایک بیوی کے کنبہ میں سے (اور دونوں اصلاح حال کی کوشش کریں) اگر دونوں پنچ (دل سے) چاہینگے کہ صلح صفائی کرادیں، تو اللہ ضرور میاں بیوی میں موافقت پیدا کردیگا (اور ان کی کوشش رائگاں نہ جائیگی) بلا شبہ اللہ سب کچھ جاننے والا اور ہر بات کی خبر رکھنے والا ہے - *

اس آیت پر مولانا آزاد اپنے تفسیری نوٹ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

اگر عورت شوہر کے حقوق کی رعایت نہ کرنے اور اطاعت شعاری کے دائرہ سے باہر ہوجائے تو شوہر کو چاہئے کہ اسے سمجھائے اور نرمی و سختی سے راہ راست پر لانے کی کوشش کرے - اگر ایسی صورت پیدا ہوجائے کہ اندیشہ ہوکہ شوہر اور بیوی میں تفرقہ پڑجائیگا تو پھر چاہئے کہ خاندان کی پنچایت بٹھائی جائے - پنچایت کی صورت یہ ہو کہ ایک آدمی مرد کے گھرانے سے لیا جائے، ایک عورت کے - دونوں ملکر اصلاح حال کی کوشش کریں - اگر سرکشی عورت کی جانب سے ہو تو مرد کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ نرمی و سختی کرکے سمجھائے بجھائے - لیکن قصور مرد کا ہو اور خواہ مخواہ الزام عورت کے سر ڈال رہا ہو تو اس کا کیا علاج؟ اس کا علاج پنچایت کا حکم دیکر کیا گیا - اگر قصور مرد کا ہوگا تو عورت کو پورا موقعہ مل جائیگا کہ اپنے گھرانے کے آدمی کےذریعہ حقیقت حال ظاہر کردے - اس حکم میں معاشرت کے اکثر احکام کی طرح خطاب مسلمانوں سے ہے - یعنی جماعت سے ہے - یہ جماعت کا فرض ہے کہ باہمی نااتفاقی کی صورت میں اصلاح کی کوشش کرے - ‡

مولانا ابوالکلام آزاد نےاس آیت کا مخاطب مسلمانوں کی جماعت کوقرار دیا ہے - کیونکہ انہوں نے جب اپنی تفسیر ''ترجمان القرآن'' لکھی تھی تو متحدہ ہندوستان میں کوئی اسلامی حکومت موجود نہیں تھی - اگر کہیں مسلم حکومت موجود ہوتو در اصل اس آیت کی مخاطب حکومت ہوتی ہے - چنانچہ فقہ حنفی کے مشہور امام ابوبکر جصاص رازی رح اس آیت کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں کہ

اس میں اختلاف ہے کہ اس آیت کے مخاطب کون لوگ ہیں - چنانچہ سعید ابن جبیر اور ضحاک سے نقل کیا گیا ہے کہ اس آیت کا مخاطب سلطان ہے، جس کی طرف میاں بیوی مرافعہ کرینگے - لیکن سدی نے کہا ہے کہ اس آیت کے مخاطب بھی مرد اور عورت (میاں بیوی ہیں) - ابو بکر (یعنی خود امام رازی) کہتا ہے کہ اللّاتی تخافون نشوزھن کا خطاب شوہروں کو ہے کیونکہ آیت کی ترتیب اسی پر

---

* ترجمان القرآن، مولانا ابوالکلام آزاد، ج ۱، ص ۳۷۰

‡ ایضاً ترجمان القرآن، ج ۱، ص ۳۶۹

دلالت کرتی ہے چنانچہ آگے حکم ہے واھجروا ھن فی المضاجع (انہیں ان کی خواب گاھوں میں اکیلا چھوڑ دو) لیکن یہ خطاب و ان خفتم شقاق بینھما (اور اگر تمہیں ان دونوں کے درمیان تفرقہ کا اندیشہ ہو) حاکم ہی کو ہونا چاہئے جو دونوں فریقوں کے درمیان غور و فکر کرکے زیادتی اور ظلم سے ان کو باز رکھ سکے کیونکہ شوہر کا معاملہ تو پہلے بیان ہوچکا ہے اور اسے حکم دیا جا چکا ہے کہ وہ بیوی کو سمجھائے بجھائے اسے خدا کا خوف دلائے پھر بھی باز نہ آئے تو اسے خواب گاہ میں تنہا چھوڑ دے - اگر وہ پھر بھی باز نہ آئے تو معمولی طور پر اسے جسمانی سزا دے اگر وہ پھر بھی نافرمانی پر قائم رہے تو جسمانی سزا دے لینے کے بعد شوہر کو کچھ اور کرنے کا تو اختیار رہا نہیں اب بجز اس کے کہ وہ ایک ایسے حاکم کے پاس واقعہ پہنچائے جو ظالم سے مظلوم کا انصاف دلوا سکے اور ان پر اس کا فیصلہ نافذبھی ہو سکے وہ اور کیا کر سکتا ہے - (۳)

اس کے بعد امام رازی نے تفصیل کے ساتھ علماء کے مختلف اقوال نقل کئے ہیں کہ ان ثالثوں کو نکاح فسخ کر دینے کا اختیار ہوگا یا نہیں۔ حنفیہ کا مسلک انہوں نے یہ نقل کیا ہے کہ اگر طرفین کی طرف سے ثالثوں کو اس کا اختیار دیا گیا ہو تو وہ نکاح کو فسخ بھی کر سکتے ہیں - ورنہ نہیں - لیکن دیگر ائمہ اسی طرف گئے ہیں کہ ان ثالثوں کو نکاح فسخ کردینے کا اختیار نہیں ہوگا - خواہ طرفین نے صراحۃً اس کی اجازت دی ہو یا نہ دی ہو *

ان تصریحات سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم نے بھی حتی الامکان طلاق کی صورت پیدا نہ ہونے دینے کے لئے صلح و صفائی کی پوری پوری کوشش کر لینے کی تاکید فرمائی ہے اور یہ کوشش بہر حال طلاق اور تفرقہ کا امکان پیدا ہونے سے پہلے پہلے ہی ہونی چاہئیے - علاوہ ازیں ان تصریحات سے اس فریب کا پردہ بھی چاک ہوجاتا ہے جو بعض حلقوں کی طرف سے بڑے شدید اصرار کے ساتھ کیا جاتا رہا ہے کہ مصالحت کا، طلاق کی آیات سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے - دونوں باتیں بالکل الگ الگ ہیں - اور یہ کہ حکومت کو اس سلسلہ میں مداخلت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے - ان تصریحات سے ہم دیکھ چکے ہیں کہ قرآن کریم کا منشا مصالحت کی ان کوششوں سے یہی ہے کہ طلاق اور تفرقہ کے امکان کو جہانتک ممکن ہوسکے ٹالا جائے اور اس کے لئے ہر ممکن کوشش کی جائے - اور اگر طلاق دینی ہی پڑے تو مصالحت کی ان کوششوں میں ناکام

* احکام القرآن، ج ۲، ص ۲۳۲

ہوجانے کے بعد ہی دی جائے۔ اور مصالحت کی یہ کوششیں حکومت کی طرف سے ہونی چاہئیں ۔ اور جب مصالحت کی ان کوششوں کے باوجود بھی نباہ کی کوئی صورت نہ نکل سکے تو پھر بدرجۂ مجبوری طلاق کی اجازت دی گئی ہے ۔

طلاق کی یہ اجازت اور اس کا طریقۂ کار سورۂ بقرہ کی آیات (۲۲۹ - ۲۳۰) میں اور سورۂ طلاق کی ابتدائی آیات میں بتایا گیا ہے ۔سورۂ بقرہ کی آیات یہ ہیں:۔

ٱلطَّلَٰقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌۢ بِإِحْسَٰنٍ ۗ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ
أَن تَأْخُذُوا۟ مِمَّآ ءَاتَيْتُمُوهُنَّ شَيْـًٔا إِلَّآ أَن يَخَافَآ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ ٱللَّهِ ۖ
فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ ٱللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا ٱفْتَدَتْ بِهِۦ ۗ
تِلْكَ حُدُودُ ٱللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا ۚ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ ٱللَّهِ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ
ٱلظَّٰلِمُونَ ﴿٢٢٩﴾ فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُۥ مِنۢ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا
غَيْرَهُۥ ۗ فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ أَن يَتَرَاجَعَآ إِن ظَنَّآ أَن يُقِيمَا
حُدُودَ ٱللَّهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُودُ ٱللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٢٣٠﴾

طلاق دو مرتبہ ہو سکتی ہے ۔ پھر اس کے بعد شوہر کے لئے دو ہی راستے رہ جاتے ہیں ۔ یا تو اچھے طریقہ پر روک لینا (یعنی رجوع کرلینا) یا پھر حسن سلوک کے ساتھ الگ کر دینا ہے ۔ اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ جو کچھ تم اپنی بیویوں کو دے چکے ہو (طلاق دیتے ہوئے) اس میں سے کچھ واپس لے لو ۔

ہاں اگر شوہر اور بیوی کو اندیشہ پیدا ہوجائے کہ اللہ کے ٹھہرائے ہوئے واجبات و حقوق ادا نہ ہو سکیں گے (تو باہمی رضامندی سے ایسا ہو سکتا ہے) تو اگر تم دیکھو، ایسی صورت پیدا ہوگئی ہے کہ (واقعی) اندیشہ ہے کہ خدا کے ٹھہرائے ہوئے حقوق و واجبات ادا نہ ہو سکیں گے تو پھر شوہر اور بیوی کے لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ بیوی (اپنا پیچھا چھڑانے کے لئے) بطور معاوضہ کے (اپنے حق میں سے) کچھ دیدے اور شوہر اسے لیکر علیحدگی پر راضی ہو جائے) یاد رکھو، یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حد بندیاں ہیں۔ پس ان سے باہر قدم نہ نکالو - اور اپنی اپنی حدوں کے اندر رہو) جو کوئی اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حد بندیوں سے نکل جائے گا تو ایسے ہی لوگ ہیں جو ظلم کرنے والے ہیں -

اگر ایسا ہوا کہ شوہر نے دو مرتبہ کے بعد پھر (تیسری مرتبہ بھی) طلاق دیدی تو اب دونوں میں قطعی جدائی ہو گئی - اور اب شوہر کے لئے وہ عورت جائز نہیں ہوگی جب تک وہ کسی دوسرے مرد کے نکاح میں نہ آجائے -

پھر اگر ایسا ہو کہ دوسرا مرد نکاح کرنے کے بعد خود بخود طلاق دیدے اور (مرد و عورت از سرنو ملنا چاہیں) تو ایک دوسرے کی طرف رجوع کر سکتے ہیں اس میں ان کے لئے کوئی گناہ نہیں۔ بشرطیکہ دونوں کو توقع ہو کہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حد بندیوں پر قائم رہ سکیں گے۔ اور دیکھو یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حد بندیاں ہیں جنہیں وہ ان لوگوں کے لئے جنہیں (مصالح معیشت کا) علم ہے واضح کر دیتا ہے -

ان آیات سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی رو سے طلاق کا طریقہ یہ ہے کہ ہر طرح کی مصالحتی کوشش بروئے کار لے آنے کے بعد جب یہ ثابت ہو جائے کہ میاں بیوی میں نباہ کی کوئی صورت نہیں نکل سکتی تو شوہر طلاق دیکر معاہدۂ نکاح کو فسخ کرنے کا اعلان کر سکتا ہے۔ پہلی مرتبہ اس اعلان کے بعد شوہر کو پھر بھی یہ اختیار باقی رہتا ہے کہ اگر وہ چاہے تو عدت کے دوران طلاق سے رجوع کرلے - قریب تین ماہ کا عرصہ کچھ کم نہیں ہوتا۔ شوہر اس عرصہ میں اپنے فیصلہ پر نظرثانی کرسکتا ہے - بیوی بھی شوہر کو منانے اور راضی کرلینے کی کوشش کرسکتی ہے - اگر اس عرصہ (عدت) میں شوہر نے طلاق سے رجوع کر لیا، فبہا - ورنہ عدت گزر جانے کے بعد رشتۂ نکاح بالکلیہ منقطع ہوگیا - تاہم اب بھی میاں بیوی کو اس کی اجازت ہے کہ اگر وہ چاہیں تو تجدید معاہدہ کے ساتھ ازسرنو دوبارہ نکاح کرسکتے ہیں - اگر شوہر نے عدت کے دوران رجوع کرلیا تھا - یا عدت گزر جانے کے بعد تجدید نکاح کرلی تھی، لیکن مزید تجربہ کے بعد وہ پھر اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ

دونوں کا نباہ ممکن نہیں اور وہ ایک دوسرے کے حقوق و واجبات کما حقہ ادا نہیں کرسکتے اور شوہر دوسری مرتبہ پھر طلاق دےدیتا ہے تو اس دوسری مرتبہ کی طلاق کے بعد بھی اس کی گنجائش باقی رہتی ہے کہ دونوں اب بھی اپنی اصلاح کرلیں - اور جو باتیں ایک دوسرے کے لئے وجہ شکایت ہوں ان کا ازالہ کرلیں - لہذا اگر صورت حال سدھر جانے کی توقع ہو تو شوہر کو اس مرتبہ بھی یہ حق باقی رہتا ہے کہ وہ عدت کے زمانہ میں طلاق سے رجوع کرلے - اگر عدت گزر چکی ہے تو میاں بیوی پھر باہمی رضامندی سے تجدیدی معاہدہ کے ذریعہ از سرنو نکاح کرسکتے ہیں - اگر اس مرتبہ بھی تجربہ سے یہی ثابت ہوا کہ وہ دونوں واقعی نباہ نہیں کرسکتے اور شوہر تیسری مرتبہ پھر طلاق دیدیتا ہے تو اب یہ عورت اس کے لئے قطعاً حرام ہوگئی - اب وہ نہ عدت کے دوران اس سے رجوع کرسکتا ہے اور نہ عدت کے بعد تجدید نکاح کر سکتا ہے - اب یہ عورت کسی دوسرے مرد سے شادی کرے - لیکن اگر اس کا گزارہ وہاں بھی نہ ہوسکے اور دوسرا شوہر بھی اسے طلاق دیدے یا وفات پاجائے تو اب یہ عورت اپنے پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح کر سکتی ہے - کیونکہ اس قدر دھکے کھالینے کے بعد اب یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ شاید اسے عقل آگئی ہو اور اب وہ اپنے پہلے شوہر کے ساتھ واقعی نباہ کرسکتی ہے اس کے ساتھ ہی یقین ہے کہ شوہر کو بھی اپنی حماقتوں کا احساس ہو گیا ہوگا اور وہ بھی واقعہ" اس کے ساتھ نباہ کرلینے کے لئے تیار ہوگیا ہوگا -

آیت مذکورہ بالا میں ''مرّتان'' کا لفظ خاص طور پر قابل توجہ ہے اگر اس لفظ کے تضمنات کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو قرآنی منشاء کو سمجھنے میں کوئی پیچیدگی پیدا نہیں ہوسکتی - اس موضوع پر امام ابوبکر جصاص رازی نے بڑی عمدہ بحث فرمائی ہے ہم یہاں اسے نقل کر دیتے ہیں - امام رازی فرماتے ہیں کہ :

> حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ (طلاق دو مرتبہ ہوسکتی ہے- پھر یا تو اچھے طریقہ پر روک لینا ہے یا حسن سلوک کے ساتھ رخصت کردینا ہے) ابو بکر (رازی رح) کہتا ہے کہ مختلف طریقوں سے اس آیت کا مطلب بیان کیا گیا ہے- ایک قول

تو یہ ہے کہ یہ اس طلاق کا بیان ہے جس کے ساتھ رجوع کرنے کا حق ہوتا ہے - یہ قول عروہ ابن زبیر اور قتادہ سے نقل کیا گیا ہے - دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں طلاق سنت اور مستحب کو بتایا گیا ہے - یہ قول ابن عباس رضہ اور مجاہد سے نقل کیا جاتا ہے - تیسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں اس بات کا حکم بتایا گیا ہے کہ آدمی جب اپنی بیوی کو تین طلاقیں دینا چاہے تو اس پر لازم ہے کہ دو طلاقیں وقفوں کے ساتھ دے - چنانچہ یہ آیت اس حکم پر مشتمل ہے کہ طلاقیں دو مرتبہ کرکے دی جائیں اور ان دونوں کے بعد پھر تیسری طلاق کا ذکر کیاگیا ہے - ابو بکر (رازی رح) کہتا ہے کہ جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ اس آیت میں ان طلاقوں کا بیان ہے جن کے بعد رجوع کرنے کا حق باقی رہتا ہے تو واقعہ یہ ہے کہ اگرچہ ان طلاقوں کے بعد فوراً رجوع کا ذکر ضرور آیا ہے- لیکن ظاہر یہی ہے کہ قرآن کا مقصود اس آیت میں مباح طلاق کو بیان کرنا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اس کے علاوہ جو طلاق دی جائے وہ ممنوع ہے - اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتانا ہے کہ طلاق کا حکم اس صورت میں کیا ہوگا، جبکہ ہدایت کردہ طریقہ کے مطابق طلاق دی جائے - چنانچہ یہ حکم اس کے فوراً بعد رجوع کا تذکرہ کرکے بتادیا گیا ہے - اس بات کی دلیل کہ آیت مذکورہ کا مقصد یہ حکم دیناہے کہ طلاق وقفوں کے ساتھ دی جائے اور اس حکم کو بیان کرنا ہے کہ جو تین طلاقوں سے کم واقع کرنے کی صورت میں رجوع سے تعلق رکھتا ہے' یہ ہے کہ قرآن کریم نے ''الطلاق مرتان'' فرمایا ہے- ان الفاظ کا تقاضا لا محالہ وقفوں کے ساتھ طلاق دینے کا ہے - کیونکہ اگر کسی شخص نے ایک ہی مرتبہ دو طلاقیں دیدی ہوں تو اس کے متعلق یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ اس نے بیوی کو دو مرتبہ طلاقیں دی ہیں- اسی طرح جیسے اگر کسی شخص نے دوسرے آدمی کو بیک وقت دو درہم دیدئے ہوں تو یہ کہنا جائز نہیں ہوتا کہ اس نے اس کو دو مرتبہ درہم دئے ہیں تا آنکہ درہم دینا وقفوں کے ساتھ نہ ہو - اگر وقفوں کے ساتھ ہو تب ہی یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس نے دو مرتبہ درہم دئے ہیں - جب یہ بات یوں ہے تو اگر قرآن کے الفاظ کا مقصد صرف وہ بات ہی بتانی ہوتی جو دو طلاقوں کی صورت میں رجوع کے حق سے تعلق رکھتی ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ مرتان کے ذکر کا کوئی فائدہ ہی باقی نہ رہے - کیونکہ رجوع کرنے کا یہ حق تو اس وقت بھی ثابت ہے جب آدمی ایک مرتبہ ہی دونوں طلاقیں دیدے - اس سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ مرتان کے ذکر کا مقصد ہی یہ ہے کہ قرآن کریم یہ حکم دیتا ہے کہ دو طلاقیں بھی وقفہ کے ساتھ دو مرتبہ کرکے دی جانی چاہئیں اور قرآن اس کی ممانعت کرنا چاہتا ہے کہ دو طلاقیں ایک ہی مرتبہ ایک‌ساتھ نہ دیدی جائیں - ایک دوسرے نقطہ' نظر سے بھی آپ غور کریں تو اگر قرآن کریم کے الفاظ دونوں باتوں کا احتمال رکھتے ہیں تو یہ ضروری ہونا چاہئے کہ آیت کو ایسے معنی پر محمول کیا جائے جو ان دونوں فائدوں پر مشتمل ہو - ان میں سے ایک فائدہ تو یہ حکم دینا ہے کہ اگر آدمی دو طلاقیں دینا چاہتا ہے تو وہ ان دونوں طلاقوں کو وقفوں کے ساتھ دے اور دوسرا فائدہ یہ حکم دینا ہے کہ جب آدمی اس طرح طلاق دیدے تو اسے رجوع کرنے کا حق ہوگا - اس طرح الفاظ دونوں فائدوں اور دونوں معنوں کو جامع ہوجاتے ہیں - حق تعالیٰ کا ارشاد

(الطلاق مرتان) اگرچہ بظاہر خبر ہے لیکن اس کے معنے امر کے ہیں - یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ (طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے نفسوں کے ساتھ تین حیض تک انتظار کریں) اور (مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلائیں) اور اس قسم کی دوسری آیات جن کا صیغہ توخبر کا ہے' لیکن معنے امر کے ہیں - اس بات کی دلیل کہ یہ امر ہے' خبر نہیں ہے یہ ہے کہ اگر یہ خبر ہوتی تو خبر دی ہوئی بات کا اسی انداز پر پایا جانا ضروری تھا جس انداز پر خبر دی گئی تھی - کیونکہ خدا کی دی ہوئی خبریں ہوں تو وہ اپنے مخبرات کے وجود سے لا محالہ الگ نہیں ہوسکتیں - لیکن ہمیں ایسے لوگ بھی ملتے ہیں جو ایک طلاق اور تین طلاقیں ایک ساتھ ہی دیتے ہیں (تو کیا اس کی بناء پر خدا کی دی ہوئی خبر کو غلط کہا جائے گا ؟) اور اگر حق تعالیٰ کے ارشاد الطلاق مرتان کو اسم خبر کہا جائے تب بھی اسے اپنے تمام مدلولات کا جامع ہونا چاہئے جو اس کے ماتحت آتے ہوں- مگر ہم کو ایسے لوگ بھی ملتے ہیں جو اس طریقہ پر طلاق نہیں دیتے جس کا آیت میں ذکر فرمایا گیا ہے - اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ قرآن کا مقصد خبر دینا نہیں ہے بلکہ یہ آیت دو معنوں میں سے کسی ایک معنی کو متضمن ہے - یا تو اس حکم کو متضمن ہے - کہ جب ہم طلاق دینا چاہیں تو وقفوں کے ساتھ دیں یا اس خبر کو متضمن ہے کہ مسنون اور مستحب طریقہ طلاق دینے کا یہ ہے- لیکن قریب تر یہی ہے کہ آیت کو امر پر محمول کیا جائے کیونکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ قرآن کا مقصد حقیقۃً خبر نہیں ہے - لہذا اب آیت کے معنے یہ ہونگے کہ جب تم طلاق دینا چاہو تو دو مرتبہ کر کے طلاق دو - اور اس کا تقاضا یہ ہو گا کہ دو مرتبہ کر کے طلاق دینے کو واجب تسلیم کیا جائے - اس امر کو استحباب پر محمول کرنے کیلئے کسی دوسری دلیل کی ضرورت ہو گی - یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے - کہ نماز دو دو رکعتیں کر کے ہوتی ہے - ''اور ہر دو رکعتوں میں ایک تشہد ہوتا ہے -،، اور ''نماز مسکنت اور خشوع کا مظاہرہ ہے -،، یہ سب خبر کے صیغے ہیں مگر ان سے مراد یہ حکم دینا ہے کہ نماز اس انداز سے ادا کی جائے - علاوہ ازیں اگر آیت کو اس معنے پر محمول کیا جائے کہ اس سے مقصد محض طلاق مسنون کو بیان کرنا ہے - تب بھی اس کا یہ مدلول اپنی جگہ پر قائم رہیگا کہ دو یا تین طلاقیں جمع کر کے ایک ساتھ دیدینا ممنوع ہے - کیونکہ الطلاق مرتان کے الفاظ تمام مسنون طلاقوں پر مشتمل ہیں - لہذا ایسی کوئی مسنون طلاق باقی نہیں رہجاتی جسپر قرآن کے یہ الفاظ حاوی نہ ہوگئے ہوں - لہذا جو طلاقیں ان الفاظ سے خارج ہونگی وہ سنت کے خلاف ہی ہونگی - اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ جو شخص دو طلاقیں یا تین طلاقیں ایک لفظ میں جمع کر کے دیدیتا ہے - وہ سنت کے خلاف طلاق دیتا ہے - لہذا یہ آیت کئی معنوں پر دلالت کر رہی ہے - ایک تو یہ کہ؛ اگر آدمی تین طلاقیں دینا چاہتا ہو تو اُسے مسنون طریقہ پر طلاق دینے کیلئے تین طلاقوں کے عدد کو متفرق اوقات میں ادا کرنا چاہئے - دوسری بات یہ ہے کہ آدمی کو دو طلاقیں بھی دو مرتبہ کر کے دینا جائز ہے - تیسری بات یہ کہ تین طلاقوں سے کم میں شوہر کیلئے رجوع کرنے کا حق ثابت

رهتا هے ۔ چوتھی بات یه که اگر آدمی بیوی کو دو طلاقیں حیض کے دوران دیدے تو وہ واقع هوجاتی هیں ۔ کیونکه حق تعالے نے ان کے واقع هونے کا فیصله فرما دیا هے ۔ پانچویں بات یه که اس آیت نے تین طلاقوں سے زیادہ طلاقیں دینے کو منسوخ کر دیا هے ۔ جب که ابن عباس وغیرہ سے منقول هے که لوگ جتنی طلاقیں چاهتے تھے دیدیا کرتے تھے اور پھر رجوع کر لیا کرتے تھے ۔ لهذا آنهیں تین طلاقوں تک محدود کر دیا گیا اور تین سے زیادہ طلاقوں کو منسوخ کر دیا گیا ۔ لهذا اس آیت میں محض مسنون طلاق کا عدد بتایا گیا هے۔ که کتنی طلاقیں دی جا سکتی هیں آیت میں وہ مسنون وقت نهیں بتایا گیا جس میں طلاق دی جانی چاهئے ۔ اسے حق تعالی نے اپنے دوسرے ارشاد فطلقوهن لعدتهن میں بیان فرمایا هے اور نبی اکرم صلے الله علیه وسلم نے صحابه سے اسکی وضاحت فرما دی تھی که طلاق عدت سے کیا مراد هے۔ چنانچه جب ابن عمر نے اپنی بیوی کو حیض کے زمانه میں طلاق دیدی تھی تو آپ نے ان سے فرمایا تھا که خدا نے تمهیں اس طرح طلاق دینے کا حکم نهیں دیا ۔ طلاق عدت یه هے که تم بیوی کو اس وقت طلاق دو جب وہ پاک هو چکی هو اور تم اس کے پاس نه گئے هو یا وہ حامله هو اور اس کا حمل ظاهر هو چکا هو ۔ یه وہ عدت هے جس کا خدا نے حکم دیا هے که اس وقت میں عورتوں کو طلاق دی جائے ۔ لهذا طلاق سنت دو اوصاف کے ساتھ بندھی هوئی هے ۔ ایک عدد ۔ اور دوسرے وقت ۔ عدد تو یه هے که آدمی ایک طهر میں ایک سے زیادہ طلاق نه دے ۔ اور وقت یه هے که اس وقت طلاق دے جب وہ پاک هو ۔ مرد اس کے پاس نه گیا هو ۔ یا وہ حامله هو اور اس کا حمل واضح هو چکا هو ۔

اهل علم کا اس میں اختلاف هے که ان عورتوں کیلئے جنهیں ایام آتے هوں، طلاق سنت کیا هوتی هے ۔ چنانچه همارے اصحاب نے کہا هے که بهترین طلاق دینے کا طریقه یه هے که آدمی بیوی کو اس وقت طلاق دے جب وہ ایام سے پاک هو چکی هو اور وہ اس کے پاس نه گیا هو ۔ پھر وہ اسے چھوڑ دے تا آنکه اسکی عدت پوری هو جائے ۔ اور اگر وہ اسے تین طلاقیں دینا چاهتا هو تو هر طهر کے وقت اسے ایک طلاق دیدے، اس کے پاس جانے سے پہلے پہلے ۔ سفیان ثوری کا قول یهی هے ۔ اور امام ابو حنیفه نے فرمایا هے که همیں ابراهیم نخعی کے ذریعه سے رسول الله صلے الله علیه وسلم کے اصحاب کے متعلق یه بات پهنچی هے که وہ اسی کو پسند کرتے تھے که لوگ ایک سے زیادہ طلاقیں نه دیں حتی که عورت کی عدت گذر جائے ۔ اور یه صورت ان کے نزدیک اس سے افضل هے که آدمی هر طهر کے وقت ایک ایک طلاق کر کے اسے تین طلاقیں دیدے ۔ امام مالک، عبدالعزیز ابن سلمه ماجشون، لیث ابن سعد، حسن ابن صالح، اور امام اوزاعی نے کہا هے که طلاق سنت یه هے که عورت کو طهر میں مقاربت سے پہلے ایک طلاق دیدی جائے۔ یه حضرات عورت کو تین طهروں میں تین طلاقیں دینے کو مکروہ سمجھتے هیں ۔ وہ کہتے هیں که اگر آدمی اس سے رجوع کرنا نهیں چاهتا تو وہ ایک طلاق دیکر اسے چھوڑ دے تا آنکه اسکی عدت پوری هو جائے ۔ امام شافعی نے فرمایا هے، جیسا که مزنی نے ان سے روایت کی هے ۔ که شوهر کیلئے تین طلاقیں دینا

حرام نہیں ہے۔ اگر شوہر اپنی بیوی سے کہدے کہ تجھے سنت کے مطابق تین طلاقیں ہیں اور عورت پاک ہو چکی ہو اور شوہر اس کے پاس بھی نہ گیا ہو تو تینوں طلاقیں ایک ساتھ پڑ جائینگی۔(۴)

امام ابوبکر جصاص رازی کے اس اقتباس پر بحث کرنے سے پہلے ہمیں ایک بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے اور وہ یہ ہے کہ ''طلاق مسنون'' یا ''طلاق سنت'' کی اصطلاح سے فقہاء کی مراد ان الفاظ کا وہ عام مفہوم لازماً نہیں ہے جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ اس کے مطابق عمل کیا جائے تو بہت اچھا ہے۔ لیکن اس کے خلاف عمل کرلینے میں بھی کوئی بڑا مضائقہ نہیں ہے۔ مثلاً مسجد میں داخل ہونا ہو تو پہلے دایاں پاؤں اندر رکھنا چاہئے اور مسجد سے نکلنا ہو تو پہلے بایاں پاؤں نکالنا چاہئے۔ یہی سنت ہے۔ وضو کرنے لگو تو دانتوں کو صاف کرنے کے لئے مسواک کرنا سنت ہے۔ جمعہ کے دن غسل کرکے صاف کپڑے پہن کر اور خوشبو لگا کر جمعہ کی نماز کے لئے جانا مسنون ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان موقعوں پر جب سنت اور مسنون کے الفاظ بولے جاتے ہیں تو ان سے یہی مراد ہوتی ہے کہ ایسا ایسا کرنا بہت ہی اچھا ہے۔ لیکن اگر ایسا نہ کیا گیا تو کسی بڑے مواخذہ کا اندیشہ بھی نہیں ہے بس اتنی سی بات ہے کہ ہم نے ایک مسنون بات کو ترک کر دیا ہے۔ لیکن بیک وقت دو اور تین طلاقیں دینے کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ اس طرح بیک وقت دی ہوئی طلاقیں ہمارے فقہا کے نزدیک حرام، ممنوع اور ناجائز ہوتی ہیں۔ اور انہیں کرلیا جائے تو شدید مواخذہ کا اندیشہ ہے۔ لہذا یہ بات اس انداز کی سنت یا مسنون نہیں ہے کہ اس کے خلاف عمل کرلیا جائے تو کوئی بڑا مضائقہ نہیں ہوگا۔ یہاں سنت اور مسنون کے الفاظ ان معنوں میں استعمال ہوئے ہیں جنکی تفسیر خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بدیں الفاظ مروی ہے کہ ''ما انا علیه و اصحابی'' (وہ طریقہ جس پر میرا اور میرے اصحاب کا عمل ہے) یعنی مسلمانوں کا طریقہ۔ اسلامی طریقہ۔ وہ طریقہ نہیں جو زمانہ جاہلیت میں کفار و مشرکین کا طریقہ تھا۔ بلکہ وہ طریقہ جسے اسلام نے مسلمانوں کے لئے متعین طور پر مقرر کر دیا ہے۔

تاهم اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ تعبیر بڑی حد تک اشتباہ پیدا کرنے والی ہے ۔ کیا اچھا ہوتا کہ اس موقعہ پر ہمارے فقہاء بجائے سنت اور مسنون کے ''طلاق مشروع'' کی غیر مشتبہ اصطلاح استعمال کرتے۔ کیونکہ اسلام نے جس انداز سے طلاق دینے کو مشروع کیا ہے ۔ وہ یہی طریقہ ہے کہ طلاقیں وقفوں کے ساتھ دی جائیں اور بیک وقت دو دو تین تین طلاقیں دینا اسلام میں قطعاً غیر مشروع، ناجائز، حرام اور ممنوع ہے ۔ غالباً یہ اس تعبیر ہی کا تصور ہے کہ لوگوں کے ذہن میں بیک وقت دی ہوئی تین ابن طلاقوں کی طرف سے وہ نفرت باقی نہیں رہی جو اسلام ان کے خلاف پیدا کرنا چاہتا تھا۔ عموماً زیادہ سے زیادہ یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس طریقہ سے طلاقیں دینا، جو شریعت نے بتایا ہے، زیادہ بہتر ہے ۔ لیکن اگر کوئی اس طریقہ کے برخلاف طلاقیں دیدے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ حالانکہ یہ تصور قطعاً اسلام کے منشاء کے خلاف ہے ۔

اس کے بعد دیکھئے کہ امام ابو بکر جصاص رازی رح کے اس طویل اقتباس سے ہمیں مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوئیں ۔

(۱) ''الطلاق مرتان'' کے لفظ میں مرتان کا مطلب یہی ہے کہ شروع کی دو طلاقیں دو مرتبہ کرکے مختلف اوقات میں دی جائیں ۔ بیک وقت نہ دی جائیں۔ کیونکہ اگر یہ مطلب نہ لیا جائے تو ''مرتان'' کے لفظ کا کوئی فائدہ باقی نہیں رہتا ۔ اگر حضرت عروہ رح اور قتادہ رح کے قول کے مطابق اس آیت کا مقصد محض یہ بتانا ہوتا کہ ان دو طلاقوں میں شوہر کو رجوع کرنے کا حق ہوتا ہے تو ''مرتان'' کا لفظ لانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی ۔ کیونکہ اگر کوئی شخص دو طلاقیں بیک وقت دیدے ، دو مرتبہ کرکے مختلف اوقات میں نہ دے تو شوہر کو رجوع کرنے کا حق تو اس صورت میں بھی ہوتا ہے ۔ لہذا ''مرتان'' کا لفظ محض یہ بتانے کے لئے لایا گیا ہے کہ دو طلاقیں بھی بیک وقت نہیں بلکہ مختلف اوقات میں وقفوں کے ساتھ دو مرتبہ کرکے دی جانی چاہئیں۔ ''الطلاق مرتان'' کے معنی دو طلاقیں نہیں ہیں بلکہ اس کے معنی ہیں کہ طلاق دو مرتبہ کرکے دی جائے ۔ ظاہر بات ہے کہ اگر کوئی شخص دو

طلاقیں بیک وقت دے دیتا ھے تو اس شخص کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے طلاقیں دو مرتبہ کرکے دی ھیں۔ جیسا کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کو بیک وقت دو درھم دے تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے درھم دو مرتبہ دئے ھیں۔ یہ بات اسی وقت کہی جاسکتی ھے جبکہ دو درھم الگ الگ کرکے مختلف اوقات میں دئے گئے ھوں۔

(۲) ''الطلاق مرتان'' اگرچہ بظاھر جملۂ خبریہ ھے لیکن اس کے معنے امر کے ھیں۔ یعنی قرآن کریم کا مقصد یہ حکم دینا ھے کہ طلاقیں دو مرتبہ کرکے الگ الگ مختلف اوقات میں دی جائیں۔ امر کا تقاضا کم از کم وجوب کا ھوتا ھے۔ لہذا اس کے معنے یہ ھوئے کہ طلاقوں کو دو مرتبہ کرکے الگ الگ مختلف اوقات میں دینا واجب ھے۔ اور اس کے خلاف عمل کرنا ناجائز ممنوع اور حرام ھے۔

(۳) اگر اس کو خبر بھی مانا جائے اور کہا جائے کہ قرآن کا مقصد اس آیت سے طلاق مسنون (یعنی طلاق مشروع) کو بتانا ھے تب بھی اس کا حاصل وھی ھوگا۔ کیونکہ مشروع طلاق صرف وھی ھوگی جو قرآن نے بتادی ھے۔ اس کے علاوہ جس طرح بھی طلاق دی جائے گی وہ غیر مشروع، ناجائز اور حرام ھوگی۔

(۴) عربوں میں زمانۂ جاھلیت سے یہ دستور چلا آتا تھا کہ وہ اپنی بیویوں کو لاتعداد طلاقیں دےدیا کرتے تھے اور رجوع کرلیا کرتے تھے۔ قرآن کریم کا مقصد اس آیت سے یہ بھی ھے کہ اسی طرز عمل کو بند کیا جائے۔ چنانچہ اس آیت کریمہ نے بتادیا کہ طلاقیں بیک وقت کئی کئی کرکے نہیں دی جاسکتیں۔ طلاق کا لفظ نہ کوئی کوسنا ھے نہ کوئی گالی ھے کہ اس کے ایک مرتبہ کہنے سے فریق مخالف کی وہ دل آزاری نہیں ھوگی جو اس کے دو۔ تین۔ دس۔ سو۔ ھزار مرتبہ کہنے سے ھوسکتی تھی۔ اس لئے اسے بار بار دھرایا جائے۔ شریعت کی نظر میں نکاح ایک معاھدہ اور ایک عقد ھے۔ اور طلاق اس معاھدہ یا عقد کے فسخ کردینے کا اعلان ھے۔ لہذا فسخ کا یہ اعلان ایک مرتبہ میں ایک ھی بار ھونا چاھئے۔ اور اس معاھدہ کو پہلی اور دوسری

مرتبہ فسخ کرنے کے بعد تمہیں رجوع کرنے کا حق ہوگا ۔ تیسری مرتبہ اگر معاہدہ کو فسخ کیا جائے گا تو رجوع کرنے کا حق نہیں ہوگا ۔ یہ نہیں کہ تم نے ہزار مرتبہ معاہدہ کو فسخ کرنے کا اعلان کردیا اور ہزار مرتبہ رجوع کرلیا ۔

(۵) اس آیت کریمہ میں صرف یہ بتایا گیا ہے کہ طلاق کتنی مرتبہ دی جاسکتی ہے ۔ یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ کس وقت دی جاسکتی ہے۔ وقت کا بیان سورهٔ طلاق کی آیت ''فطلقوھن لعدتھن'' میں کیا گیا ہے۔ اسی آیت پر ہم آئندہ چل کر بحث کریں گے ۔

(۶) حنفیہ کے نزدیک طلاق کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو طہر کی حالت میں ایک طلاق دے ۔ اگر اس کے بعد وہ اس سے رجوع کرنا چاہتا ہے تو عدت کے دوران میں رجوع کرےاور اگر رجوع کرنا نہیں چاہتا ہے تو عورت کو چھوڑے رکھے تاکہ اس کی عدت پوری ہوجائے اور وہ اس سے الگ ہوجائے ۔

(۷) امام سفیان ثوری رح نے فرمایا ہے کہ طلاق کا مسنون (مشروع) طریقہ یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو عدت کے دوران ایک ایک طہر میں ایک ایک طلاق کرکے تین طلاقیں دے دے ۔

(۸) واضح رہے کہ امام رازی نے امام ابو حنیفہ رح سے صراحةً ایسی کوئی روایت نقل نہیں کی ہے جس سے یہ سمجھا جائے کہ امام صاحب رحمة اللہ علیہ بھی اس طریقهٔ طلاق کو مسنون سمجھتے تھے۔ امام رازی نے امام ابو حنیفہ رح سے صرف یہی نقل فرمایا ہے کہ ہمیں ابراھیم نخعی رح سے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اس بات کو پسند فرماتے تھے کہ ایک طلاق سے زیادہ نہ دی جائے اور یہ کہ ان کے نزدیک یہی صورت اس سے بہتر سمجھی جاتی تھی کہ عورت کو تین طلاقیں دے دی جائیں ۔

(۹) امام مالک رح، عبدالعزیز ابن سلمہ ما جشون رح، لیث ابن سعد، حسن ابن صالح رح اور امام اوزاعی رح سے صراحةً منقول ہے کہ وہ امام ثوری رح کے بتائے ہوئے طریقہ کو کہ عورت کو ایک ہی عدت میں، ہر

طہر میں ایک ایک کرکے تین طلاقیں دے دی جائیں ، مکروہ اور ناپسند سمجھتے تھے -

(۱۰) صرف امام شافعی رح اس کے قائل ہیں کہ تین طلاقیں یک وقت دے دینا حرام نہیں ہے اور اگر دیدی جائیں تو واقع ہوجاتی ہیں -

(باقی آئندہ)

ضمیمہ

حوالوں کے عربی متن

(۱) عن ثوبان قال قال رسول الله صلے الله علیہ وسلم ایماامراة سالت زوجها الطلاق فی غیر مابأس فحرام علیها رائحة الجنة - (رواه الخمسة الاالنسائی)

(۲) عن ابن عمر رضہ عن النبی صلے الله علیہ وسلم قال ابغض الحلال الی الله عز وجل الطلاق - (رواه ابو داؤد و ابن ماجة)

(۳) و قد اختلف فی المخاطبین بهذه الایة من هم؟ فروی عن سعید ابن جبیر و الضحاک انہ السلطان الذی یترافعان الیہ و قال السدی الرجل و المراۃ - قال ابوبکر قولہ (و اللاتی تخافون نشوزهن) هو خطاب للازواج لما فی نسق الایة من الدلالة علیہ و هو قولہ (واهجروهن فی المضاجع) وقولہ (و ان خفتم شقاق بینهما) الاولی ان یکون خطابا للحاکم الناظر بین الخصمین و المانع من التعدی و الظلم و ذلک لانہ قد بین امر الزوج و امره بوعظها و تخویفها بالله ثم بهجرانها فی المضجع ان لم تنزجر ثم بضربها ان اقامت علی نشوزها ثم لم یجعل بعد الضرب للزوج الاالمحاکمة الی من ینصف المظلوم منهما من الظالم و یتوجہ حکمہ علیهما (احکام القرآن ، لحجة الاسلام ابی بکر احمد بن علی الرازی) ج ۲ ، ص ۲۳۱ مطبوعہ بهیہ، مصر ۱۳۴۷ھ)

(۴) قال الله عزوجل (الطلاق مرتان فامساک بمعروف اوتسریح باحسان) قال ابوبکر قد ذکرت فی معناه وجوه - احدها انہ بیان للطلاق الذی تثبت معہ الرجعة - یروی ذلک عن عروة ابن الزبیرو قتادة - والثانی انہ بیان للطلاق السنة المندوب الیہ - ویروی ذالک عن ابن عباس و مجاهد- و الثالث انہ امر انہ اذا اراد ان یطلقها ثلاثا فعلیہ تفریق الطلاق فیتضمن الامربالطلاق مرتین ثم ذکر بعد هما الثالثة - قال ابوبکر فاما قول من قال انہ بیان لما یبقی معہ الرجعة من الطلاق فانہ و ان ذکر

معالرجعة عقيبه فان ظاهره يدل على انه قصد به بيان المباح منه واما ماعداه فمحظور و بين مع ذلك حكمه اذا اوقعه على الوجه المامور به بذكر الرجعة عقبه - والدليل على ان المقصد فيه الامر بتفريق الطلاق و بيان حكم مايتعلق بايقاع مادون الثلاث من الرجعة انه قال (الطلاق مرتان) و ذلك يقتضى التفريق لامحالة لانه لوطلق اثنتين معاً لما جاز ان يقال طلقها مرتين- وكذلك لو دفع رجل الى اخر درهمين لم يجز ان يقال اعطاه مرتين حتى يفرق الدفع فحينئذ يطلق عليه و اذا كان هذا هكذا فلو كان الحكم المقصود باللفظ هو ما تعلق بالتطليقتين من بقاءالرجعة لادى ذلك الى اسقاط فائدة ذكر المرتين اذا كان الحكم ثابتا فى المرة الواحدة اذا طلق اثنتين فثبت بذلك ان ذكره للمرتين انما هو امر بايقاعه مرتين ونهى عن الجمع بينهما فى مرة واحدة - ومن جهة اخرى انه لوكان اللفظ محتملا لامرين لكان الواجب حمله على اثبات الحكم فى ايجاب الفائدتين و هوالامر بتفريق الطلاق متى اراد يطلق اثنتين و بيان حكم الرجعة اذا طلق كذلك فيكون اللفظ مستوعباً للمعنين- وقوله تعالى (الطلاق مرتان) و ان كان ظاهره الخبر فان معناه الامر- كقوله تعالى (والمطلقات يتربصن بانفسهن ثلثة قروء) (الوا الدات يرضعن اولادهن) وماجرى هذا المجرى مما هوفى صيغة الخبرو معناه الامر - والدليل على انه امروليس بخبر انه لوكان خبرا لوجد مخبره على ما اخبر به لان اخبارالله لاتنفك من وجود مخبراتها - فلما وجدنا الناس قد يطلقون الواحدة والثلاث معا ولوكان قوله تعالى (الطلاق مرتان) اسماللخبر لاستوعب جميع ماتحته ثم وجدنا فى الناس من يطلق لاعلى الوجه المذكور فى الاية علمنا انه لم يرد الخبرو انه تضمن احد معنيين اما الامر بتفريق الطلاق متى اردنا الايقاع او الاخبار عن المسنون المندوب اليه منه و اولى الاشياء حمله على الامر اذ قد ثبت انه لم يرد به حقيقة الخبر لانه حينئذ يصير بمعنى قوله طلقوا مرتين متى اردتم الطلاق وذلك يقتضي الايجاب و انما ينصرف الى الندب بدلالة- كما قال النبى صلى الله عليه و سلم (الصلاة مثنى مثنى والتشهد فى كل ركعتين و تمسكن و خشوع) فهذه صيغة الخبر و المراد الامر بالصلاة على هذه الصفة- و على انه ان حمل على ان المراد بيان المسنون من الطلاق كانت دلالته قائمة على حظر جمع الاثنين اوالثلاث لان قوله (الطلاق مرتان) منتظم لجميع الطلاق المسنون فلايبقى شيئى من مسنون الطلاق الا و قدانطوى تحت هذا اللفظ فاذا ماخرج عنه فهو على خلاف السنة فثبت بذلك ان من جمع اثنتين اوثلاثا فى كلمة فهو مطلق لغيرالسنة ..

فانتظمت هذه الاية الدلالة على معان - منها ان مسنون الطلاق التفريق بين اعداد الثلاث اذا اراد ان يطلق ثلاثا- و منها ان له ان يطلق اثنيتن فى مرتين- و منها ان مادون الثلاث تثبت معه الرجعة - و منها انه اذا طلق اثنتين فى الحيض وقعتا لان الله قد حكم بوقوعهما - و منها انه نسخ هذه الاية الزياده على الثلاث

على ماروى عن ابن عباس وغيره انهم كانو يطلقون ماشاؤامن العدد ثم يراجعون فقصرواعلى الثلاث و نسخ به مازاد ..

ففى هذه الاية دلالة على حكم العدد المسنون من الطلاق و ليس فيها ذكرالوقت المسنون فيهايقاع الطلاق - و قد بين الله ذلك فى قوله تعالى (فطلقوهن لعدتهن) و بين لهم النبى صلى الله عليه و سلم طلاق العدة فقال لابن عمر رضه حين طلق امرأته و هى حائض (ما هكذا امرك الله انما طلاق العدة ان تطلقها طاهرا من غير جماع او حاملا و قداستبان حملها فتلك العدة التى امرالله ان يطلق لها النساء) - فكان طلاق السنة معقودابوصفين احدهما العدد والاخر الوقت - فاما العدد فان لايزيد فى طهر واحد على واحدة - و اما الوقت فان يطلقها طاهرامن غير جماع او حاملا قداستبان حملها و قد اختلف اهل العلم فى طلاق السنة لذوات الاقراء فقال اصحابنا احسن الطلاق ان يطلقها اذا طهرت قبل الجماع ثم يتركها حتى تنقضى عدتها - و ان اراد ان يطلقها ثلاثا طلقها عند كل طهر واحدة قبل الجماع و هو قول الثورى و قال ابو حنيفه (و بلغنا عن ابراهيم عن اصحاب رسول الله صلى الله عليه و سلم انهم كانوايستحبون ان لايزيدوا فى الطلاق على واحدة حتى تنقضى العدة و ان هذا عند هم افضل من ان يطلقها ثلاثا عند كل طهر واحدة) - و قال مالک و عبدالعزيز ابن ابى سلمة الماجشون و الليث ابن سعد والحسن ابن صالح و الاوزاعى (طلاق السنة ان يطلقها فى طهر قبل الجماع تطليقة واحدة و يكرهون ان يطلقها ثلاثا فى ثلاثة اطهار - لكنه ان لم يرد رجعتها تركها حتى تنقضى عدتها من الواحدة) - و قال الشافعى فيما رواه عنه المزنى (لايحرم عليه ان يطلقها ثلاثا و لوقال لها انت طالق ثلاثا للسنة و هى طاهر من غير جماع طلقت ثلاثا معا ..)

(ايضاً ، ج ا ص ٢٢٧ - ٢٢٩)